مطابق شمالی ہندوستان میں جو مثنویاں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان میں سب سے قدیم مثنوی ''وفات نامہ حضرت فاطمہؓ'' ہے۔ شیخ چاند نے اس مثنوی کا نام تولد نامہ حضرت فاطمہؓ لکھا ہے۔ یہ مثنوی 1105ھ کی تصنیف ہے۔[1] اس کے مصنف کا نام اسماعیل امروہوی ہے۔ جس کا زمانہ 1054ھ تا 1123ھ بتایا گیا ہے۔[2] ڈاکٹر عبدالحق اس کی ادبی حیثیت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

> '' ادبی اعتبار سے اس کتاب کی کوئی اہمیت نہیں۔ بہت ہی معمولی درجے کی ہے۔ لیکن اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دلی کے آس پاس کے اضلاع اور قصبات کی زبان کیسی تھی۔[3]''

اسماعیل امروہوی کی ایک اور مثنوی معجزہ انار نجیب اشرف ندوی نے متعارف کرائی ہے۔[4] بقول حامد اللہ افسر شمالی ہند میں میر تقی میر مثنوی کے پہلے شاعر تھے۔[5] میر 1137ھ میں پیدا ہوئے۔[6] سید مسعود حسن رضوی نے دیوان فائز کا مقدمہ لکھتے ہوئے فائز دہلوی کو مثنوی کا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔ اور اس کی مثنوی قصہ رضوان شاہ کو 1094ھ کی تصنیف بتایا ہے۔[7] اس کے مقابلے میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی مثنوی جو

1- صابر علی خان لودھی: اردو مثنوی کا ارتقاء، مقالہ ایم -اے اردو 1956ء پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص 77

2- نائب حسین نقوی: اردو کی دو قدیم مثنویاں، مجلس ترقی اردو لاہور 1970ء ص 59

3- عبدالحق ڈاکٹر: مضمون شمالی ہند کی سب سے قدیم مثنوی، سہ ماہی رسالہ اردو کراچی جنوری 1954ء ص 6

4- مضمون، اسماعیل امروہوی کی ایک مثنوی، سہ ماہی رسالہ اردو، کراچی، جنوری 1954ء ص 7

5- حامد اللہ افسر: نقد الادب ص 166

6- تاریخ ادب اردو ص 196

7- ایضاً

1050ھ تا 1060ھ کی تصنیف ہے اسے ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے 1064ھ کی تصنیف قرار دیا ہے۔(1)

اگر اس سارے تناظر میں غور سے جائزہ لیا جائے تو جدید تحقیق کے مطابق مثنوی گنج الاسرار قدیم ترین مثنوی ہے۔ قدامت کے علاوہ زبان و بیان کے حوالے سے بھی یہ مثنوی بہت سی خوبیوں کی حامل ہے۔ کیونکہ نوشہ صاحبؒ کو زبان اور بیان پر عبور حاصل تھا۔ نوشہ صاحبؒ تصوف کے جملہ مسائل کی باریکیوں سے بھی شناسا تھے۔ جن کی بنا پر یہ مثنوی ایک شاہکار کا روپ دھار گئی۔ انہوں نے اس مثنوی میں مذہبی مسائل بیان نہیں کیے بلکہ قادری سلسلے کے صوفیاء کی ریاضت کے اس طریقے کو نظمایا ہے، جو آج بھی نوشاہی درویشوں میں مروج ہے۔

ریاضت کے اس طریقے پر عمل کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ لیکن جو سالک اس پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ حقیقت کا ادراک حاصل کر لیتا ہے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ سالک اس طریقے پر عمل کرنے کی اجازت اپنے پیرومرشد سے حاصل کرے۔ جیسا کہ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

لیکن سمجھ نہ گور بن آوے — ستگور باجھ یہ سوجھ نہ پاوے(2)
آکھے پیر جو دل پر رکھ — خوب طرح یہ انبرت چکھ(3)
جو تجھ کوں فرماوے پیر — اس پر چلیں تو ہو فقیر(4)

شاعر نے گنج الاسرار میں تصوف کے بہت سے موضوعات پیش نظر رکھے

2- مضمون (گنج الاسرار اردو کی ایک قدیم مثنوی) سہ ماہی مجلّہ صحیفہ شمارہ نمبر 35 لاہور۔ اپریل 1966ء ص 57

3- گنج الاسرار ص 40

4- ایضاً

5- ایضاً ص 31

ہیں۔مثلاً اللہ کے کلام کی برکت، حدیث، کلمے کی اہمیت، کلمے کا ذکر اور اس کا طریقہ، مرشد کی تلاش اور اطاعت، مرشد کا کام، طالب کا کام، قبور کا کشف، عالم برزخ، ذکر حق، تہجد کی تعلیم، فنا فی الوجود، فنا فی المرشد، فنافی اللہ اور عارف کی پہچان وغیرہ۔ نوشہ صاحبؒ نے اس مثنوی میں جہاں ذکر اور فکر کا طریقہ نظم میں بیان کیا ہے، وہاں سالک کے لیے حقیقت کی راہوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔مثنوی کا اندازِ بیان بے حد دلکش اور دلنشین ہے کہ اس کی تصنیف کو تین سو سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے، لیکن نوشاہی بزرگ آج بھی اس میں درج وظیفہ کے ذریعے حقیقت شناسی سے مستفید ہو رہے ہیں۔

نوشہ صاحبؒ نے یہ مثنوی اللہ اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کی خوشنودی اور سالکانِ راہ حقیقت کو صراط المستقیم دکھانے کے لیے لکھی۔آپ فرماتے ہیں:

محض خدا رسولؐ کی خاطر — یہ نسخہ میں کیتا ساطر
غرض میری ہے بیان شواغل — تقدیم تاخیر میں نہ ہو غافل (1)

نوشہ صاحبؒ قرآن مجید اور اسمائے ربانی کی برکت اور اہمیت کے متعلق بیان فرماتے ہیں:

کلام خدا کی دارو کھاناں — جس جاناں برحق کر ماناں
جو اذکار افکار افعال — جو اوراد وظائف اعمال
جو حروف کلمات عظام — جو آیات اسماء کرام
جو آویں بندیوں کے کام — دین دنی میں ہوویں تمام
سب قرآن مجید میں آئے — حق تعالیٰ نے آپ فرمائے (2)

1- گنج الاسرار ص 31

2- ایضاً

نیز اس حقیقت کا بھی نہایت واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ عام انسان میں اس قدر حوصلہ نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاک کلام اور اسمائے ربانی کی حقیقت کو پوری طرح جان سکے۔ کیونکہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والا صفات بے حدو بے حساب ہے اور قیود و حدود سے مبراء ہے، اسی طرح اس کے کلام پاک کے مفاہیم اور اس کے اسماء کے مطالب انسانی ادراک سے بلند و بالا ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عقل انسانی ، مادہ پرستی اور ظاہر کی آنکھوں سے دکھائی دینے والی چیزوں پر یقین رکھتی ہے۔ لہٰذا حقیقت ازلی کے ادراک کی براہ راست متحمل نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے قرآن مجید فرقان حمید کا ارشاد ہے۔ اِنّـی اَعْـلَـمُ وَمَـالَا تَـعْلَمُوْن َ۔ اسی مفہوم کونوشہ صاحبؒ نے گنج الاسرار میں یوں بیان فرمایا ہے:

توں کیا جانے میرے کام　　کون آیت ار کون ہرنام
کون شغل ار کونسا ذکر　　کونسا عمل ار کونسا فکر
تو اندھلا تجھ کوں کیا سوجھے　　بھلے بُرے کوں تو کیا بوجھے [1]

علم لدنی کی معرفت کے لیے ارشاد ربانی ہے۔

یَـا اَیُّھَـا الَّـذِیْـنَ آمَـنُـو اتَّـقُوا اللّٰـهَ وَابْتَغُوا اِلَیْـهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُو فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. [2]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اسکی راہ میں جہاد کرو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

بزرگان دین اور صوفیاء کے نزدیک یہاں وسیلہ سے مراد مرشد ہے۔ قرآن مجید کے اس فرمان کونوشہ صاحبؒ نے اشعار کا روپ یوں دیا ہے:

1- گنج الاسرار ص 31

2- القرآن: پارہ 6 سورۃ المائدہ آیت 35

سر ہُوّیت خوب پچھان   یہ نکتہ توں دل سیں مان
جے چاہیں بے رنگی بھیکھ   ستگور کا توں چہرہ ویکھ [1]

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک سالک کے لیے بے حد ضروری ہے وہ اپنے مرشد کے ارشادات پر عمل کرے پھر وہ صحیح معنوں میں فقیر بن سکے گا:

جو تجھ کوں فرماوے پیر   اس پر چلیں تو ہو فقیر [2]

اس کے بعد وہ وظیفہ کرنے کا باقاعدہ طریقہ بیان کرتے ہیں اور سالک کے لیے یہ شرط رکھتے ہیں کہ وہ مکمل خلوص، نیک نیتی، سوز وگداز اور عشق ربی میں ڈوب کر اس طریقہ سے اس وظیفہ کو کرے کہ اسے دنیاوی کاروبار سے کوئی علاقہ نہ رہے۔صرف یادالٰہی میں مستغرق رہے۔فرماتے ہیں:

جس پر چاہے تجھ کوں رہنا   وہ ضرور ہویا اب کہنا
آدھی رات اٹھ بیٹھے سالک   چار گوٹ کا ہووے مالک
پیچھے اس کے سمجھ سیانے   سلاح مومن کا وضو پچھانے
کرے تہجد نال نیاز   دل حاضر ار جان گداز
دو رکعت جد پڑھ کر رہے   ذکر فکر میں ہو کر ہے
لاَ اِلٰــہ اِلاّ اللــہ سادھے   من سوں اس دم سبھ کجھ چھاڈے
ایسی ضرب اللہ کی لاوے   جو خطرہ ہے سبھ جھڑ جاوے
لاَ اِلٰــــــہ کی پھڑ شمشیر   تاں وچ عالم سارے پھیر
لاَ اِلٰــــــہ کی پکڑ بہاری   گرد دھند سبھ دُور اتاری
محمد رسول اللہ من بھیتر کہے   اگم پنتھ ستگور توں لئے [3]

1- گنج الاسرار ص 31
2- ایضاً
3- ایضاً

بعد ازیں وہ کلمہ کی اہمیت اور اس کے وظیفے کا طریقہ بیان کرتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ کلمہ کے جملہ اسرار و رموز مرشد کے بغیر سالک پر واضح نہیں ہوتے۔ اسی لیے وہ بار بار مرشد کی ضرورت و اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموز کو احاطہ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا ہے۔ یہ علم سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا ہے:

پُرسش اس کی پیر سوں پاوے جو لکھنے موں رسم نہ آوے [(1)]

اس کے بعد شغلِ محمود، شغلِ نصیرا، شغلِ مدوّر، ذکر سہ پایہ، ذکر اسم اعظم اور ذکر قصیدہ غوثیہ وغیرہ کا طریقہ بیان کیا ہے۔ آپ سالک کو تلقین کرتے ہیں کہ جب وہ عرفان خداوندی حاصل کرلے تو پھر چپ سادھ لے اور یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرے۔ بے شک اس راز کی پردہ پوشی میں جان کیوں نہ چلی جائے۔ یہی ایک عارف با اللہ کی شان ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

اس سیں ظاہر کیوں کر کہیے بسر چُھپے تو عارف رہیئے [(2)]
سُر جاوے پر بسرّ نہ جاوے تو یہ سَر بسرّ کوں پاوے
فجر ہووے تاں پڑھے نماز سنت فرض میں کرے نیاز
ایسا راز اللہ کوں کہے آپ بیچ سوں جاتا رہے
حاضر ہو کر غائب ہووے حق کوں پاوے آپ کوں کھووے

طریقت کی دنیا میں ایک عارف کو کیسا ہونا چاہیئے؟ اس کی ہدایت کے لیے فرماتے ہیں:

عارف دیکھو ایسا ہو ادب صورت کا پورا ہو
اوہاں بیٹھ کر کرے سلام شرم ادب سوں کرے تمام
ایسی من کی سُرت لگاوے جو کچھ من موں دیکھا جاوے

1- گنج الاسرار ص 32

2- ایضاً ص 37

آنکھیں موند کر دل پر راکھے　　　خوب نظر میں انبرت چاکھے
پھر تاں دیکھے عرش رحمان　　　حق کوں پاوے سچ کر جان
اللہ اللہ اتنا کہے　　　آپ نہ رہے تے اللہ رہے [(1)]

آخر میں آپ اپنے مرشد حضرت سخی شاہ سلیمانؒ کا ذکر کرتے ہیں کہ میں نے اپنے مرشد کی برکت سے ''بھیت محبت''، یعنی علم حقیقی حاصل کیا ہے۔ پھر پیران پیر حضرت غوث الاعظمؒ کی عنایات کا تذکرہ، نبی کریمﷺ اور صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ کی تعریف اور درود شریف پر اس وظیفہ کا اختتام کرتے ہیں۔

اس مثنوی میں طریقت کے اصولوں کے بیان کے علاوہ نوشہ صاحبؒ نے فنی اعتبار سے بڑے کمالات دکھائے ہیں۔ بعض مقامات پر انہوں نے خوبصورت مقامی تشبیہات استعمال کی ہیں۔ مثلاً

جیوں کر پیر کرے تلقین　　　لاگ رہے جیوں جل میں مین [(2)]

دراوڑی زبان میں مچھلی کو مین کہتے ہیں۔ پانی اور مچھلی کی اسقدر خوبصورت مثال ہمیں نوشہ صاحبؒ کے ہم عصر شعراء کے کلام میں کہیں نظر نہیں آتی۔ اسی طرح صنعت تجنیس کی خوبصورت مثال اس شعر میں دیکھئے:

سَر جاوے پر سِرّ نہ جاوے　　　تو یہ سَر سِرّ کوں پاوے [(3)]

مناسب اور موزوں قوافی کے استعمال کے علاوہ اشعار میں بے حد روانی اور تسلسل ہے۔ الفاظ کا صوتی آہنگ مثنوی کے اشعار میں ترنم اور موسیقی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ مثنوی کی زبان پر ہندی کا گہرا اثر ہے۔ اسی بنا پر شرافت نوشاہی نے اس مثنوی کی زبان کو ہندی قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ ہندی نہیں ہے، بلکہ مثنوی کی زبان اُس

1- گنج الاسرار ص 38
2- ایضاً ص 38
3- ایضاً ص 3

دور کی اردو کا بہترین نمونہ ہے، جسے قدیم زمانے میں ہندوی کا نام دیا جاتا تھا۔
پروفیسر شجاع الدین گنج الاسرار کی زبان کے متعلق لکھتے ہیں:

''سر زمین پاکستان و ہند پر اسلام کا نیرّ درخشاں طلوع ہوا تو مسلمان حاکموں، تاجروں سیاحوں، عالموں، درویشوں اور مقامی باشندوں میں تبادلہ خیالات کے لیے ایک مشترکہ زبان کی ضرورت پیش آئی۔ یہ زبان جو ہندو پاکستان اور ترکی، عربی، فارسی وغیرہ بیرونی زبانوں کے امتزاج سے عالم وجود میں آئی اور دور اسلامیہ میں پروان چڑھی، اردو کے نام سے موسوم ہوئی......صوفیاء کرام نے اردو کی نشو ونما میں نمایاں حصہ لیا اور اسے اپنی تبلیغی مساعی کا ذریعہ بنایا۔ پنجاب کے مشائخ میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے بھی اس مشترکہ زبان میں اظہار خیال فرمایا۔ رسالہ گنج الاسرار اسی زبان میں ہے۔ اس رسالہ کا مطالعہ جہاں ہمیں حضرت نوشہ صاحبؒ کے صوفیانہ خیالات سے آگاہ کرتا ہے۔ وہاں ہمیں اس دور کی اردو بھی متعارف کراتا ہے۔ اس عبارت میں ہندی الفاظ، اصطلاحات کی کثرت ہے اور یہ اصطلاحات وہی ہیں جو اس زمانہ کے ہندو مذہبی رہنماؤں (جن میں سکھ گورو بھی شامل ہیں) کے ہاں بھی مستعمل تھیں، عوام میں پرچار کے لیے ان کا استعمال ناگزیر تھا۔ (1)

نوشہ صاحبؒ نے صرف ہندی الفاظ اور اصطلاحات ہی استعمال نہیں کیں بلکہ انہوں نے عربی، فارسی الفاظ اور اصطلاحات بھی بطریق احسن استعمال کی ہیں۔ مگر کمال یہ ہے کہ اس قدر ادق اور مشکل اصطلاحات کو اشعار کی لڑی میں نہایت خوبصورتی سے پرویا ہے کہ فنی اعتبار سے کسی ایک شعر میں بھی جھول دکھائی نہیں دیتی۔ قاری بیشک ان الفاظ کے معانی نہیں سمجھتا لیکن پڑھتے ہوئے ایک عجیب قسم کا سرور

1- گنج الاسرار (دیباچہ) ص6

محسوس کرتا ہے۔ ایک سو نو اشعار کی مثنوی جہاں تصوف کی دنیا میں بہترین خزانہ ہے وہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جس دور میں یہ مثنوی لکھی گئی اس دور میں شمالی ہندوستان میں اردو ادب کا وجود ابھی ہیولا تھا۔ اس لئے اس مثنوی کی لسانی و تاریخی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

3- گنج شریف (پنجابی)

شرافت نوشاہی کی تحقیق کے مطابق گنج شریف ، حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا پنجابی کلام ہے۔ جسے انہوں نے 1400ھ/ 1980ء میں پہلی بار ادارۂ معارف نوشاہیہ ساہن پال ضلع گجرات سے شائع کیا۔ اسی میں کل اشعار کی تعداد 3917 ہے۔ ان کے علاوہ 107 متفرق مصرعے بھی موجود ہیں۔ عارف نوشاہی نے اس کا مقدمہ تحریر کیا ہے اور تقدیم خود شرافت نوشاہی کے قلم کا شاہکار ہے۔ یہ تخلیق 624 صفحات پر مشتمل ہے۔ سائز $\frac{23 \times 36}{16}$ پر دیدہ زیب کتابت اور اشاعت کی وجہ سے نہایت دلکش ہے۔

گنج شریف کا مآخذ

گنج شریف کا اصل مآخذ دانشگاہ کے کتب خانے کی ایک قلمی بیاض ہے۔ جسے فقیر سید غلام محی الدین نوشہ ثانی کی بیاض قرار دیا گیا ہے اور یہ بیاض ذخیرہ مخطوطات شیرانی میں نمبر 6223 کشکول نوشاہی کے عنوان سے موجود ہے۔ اس میں اردو ، ہندی اور پنجابی کلام بکثرت ہے۔ شرافت نوشاہی نے برسہا برس کی محنت شاقہ سے اس کلام کا مطالعہ کیا ہے پھر اسے مدون کر کے شائع کیا ہے۔ انہوں نے اس کلام کو نہ صرف مذکورہ بیاض سے نقل کیا ہے بلکہ اس میں سے اردو اور پنجابی کلام موضوعاتی

اعتبار سے ترتیب دے کر علیحدہ علیحدہ شائع کیا ہے۔ ان کی یہ کاوش قابل تحسین ہے اور یقیناً ایک عظیم کارنامہ بھی ۔مگر اسی عہد کے ایک محقق خورشید احمد خان کے دعوٰے کے مطابق یہ بیاض فقیر غلام محی الدین نوشہ ثانی کی ہے۔ انہوں نے خود اپنے قلم سے رقم کی ہے۔ [1] لہٰذا یہ کلام ان کا اپنا ہے۔حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا نہیں ہے۔

سرلیپل گرفن ،فرانسس میسی اور ڈبلیو ایل کوزین کی تحقیق کے مطابق: ''فقیر نوشہ ثانی کے مورث اعلیٰ جلال الدین عرب کے باشندے اور عربی النسل تھے۔ جو ساتویں صدی ہجری میں ہلاکو خان کے دربار سے منسلک تھے۔ اسلیے وہ بخارا آ گئے۔ان کے خاندان کے بیشتر افراد نے کئی برس تک مکہ میں اسلام کی تبلیغ کی اور ان کے خاندان کے کئی ایک بزرگ نجف اشرف میں دفن ہیں۔سید جلال الدین چونکہ بخارا آ گئے تھے اس لیے ان کا خاندان بخارا کی نسبت سے بخاری مشہور ہوگیا۔سید جلالا الدین کی شادی ہلاکو خان کی بیٹی سے ہوئی۔ بعد میں سید جلال الدین اپنے پوتے بہاء الدین کے ساتھ بخارا سے ہجرت کر کے پنجاب میں آئے اور فیروز شاہ تغلق کے دور میں فوت ہوئے۔فقیر نوشہ ثانیؒ کی عمر تین ماہ تھی، جب ان کے والد سید غلام قادر شاہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ان کی والدہ غربت سے تنگ آ کر چونیاں سے لاہور آ گئیں تو نوشہ ثانی کے والد کے ایک دوست نامور حکیم عبداللہ انصاری (جو احمد شاہ درانی کے عہد میں کشمیر کے قاضی تھے) نے نوشہ ثانیؒ کی پرورش اور تربیت اپنے ذمہ لے لی۔ انہوں نے نوشہ ثانیؒ کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ اور نوشہ ثانی نے جوان ہوکر حکمت اور کتب کی تجارت کو پیشہ بنایا۔ [2]

حکیم موسیٰ امرتسری کے بقول نوشہ ثانی کی وفات 1229ھ میں ہوئی۔ [3]

1- خورشید احمد خاں: (مضمون نوشہ گنج بخشؒ سے منسوب اردو کلام کی اصل حقیقت) اوری اینٹل کالج میگزین لاہور صد سالہ تقریبات نمبر ص 17

2- Chiefs and families of note in the Punjab vol-1 Lahore, 1940, P.295-96

3- نقوش لاہور نمبر ص 809،لوح مزار پر بھی یہی تاریخ درج ہے۔

شرافت نوشاہی نے ان کی وفات کا سن 1241ھ لکھا ہے۔[1] مگر مآ خذ کا ذکر نہیں کیا۔فقیر خاندان کے کسی مخطوطے یا معاصرانہ حوالے سے نوشہ ثانی کا حاجی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔شرافت نوشاہی کو یہ بات تسلیم ہے کہ:

''اس بیاض کی روشنائی اور کاغذ کم از کم دوسو سال قدیم ہے۔''[2]

مگر کلام نوشہ ثانی کا نہیں ہے۔ ایک اور جگہ وہ اس تصنیف کو 1186ھ/ 1772ء سے بعد کی تحریر قرار دیتے ہیں۔اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس بیاض کے صفحہ نمبر 289 پر شاہ عبدالغفور جالندھری کے نام کیساتھ قدس سرّ ہٗ لکھا ہوا ہے۔ جو مرحومین کے ناموں کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ شاہ عبدالغفور کی وفات 1186ھ/ 1772ء میں ہوئی۔

مآخذ کی اصل حقیقت

گنج شریف کے مآ خذ بیاض کے گہرے مطالعہ سے یہ حقائق سامنے آتے ہیں۔

1- بیاض کے کسی بھی ورق پر فقیر غلام محی الدین نوشہ ثانی کے دستخط موجود نہیں۔
2- اس بیاض کا کہیں بھی سن تصنیف درج نہیں۔
3- مخطوطہ پر کسی کاتب کا نام درج نہیں اور نہ ہی اشعار میں کوئی تاریخ بیان کی گئی ہے۔
4- مخطوطے کی لکھائی کسی ایک ہاتھ کی نہیں ہے۔
5- مخطوطے میں کسی ایک شاعر کا کلام نہیں۔ بلکہ کم از کم دس بزرگوں کا کلام درج ہے۔جن میں بابا فرید، شاہ حسین، حیدر جنگ، نوشیر سندھی، بھگت کبیر،

1- المعارف؛ لاہور مئی 1970ء، مقالہ حیات حضرت محمد نوشہ کے ماخذ
2- انتخاب گنج شریف ص 43

بابا نانک، بابالعل بیراگی، امانند دھیان پوری، اترائی سندھی اورنوشہ کے نام شامل ہیں۔

6- مخطوطے میں نوشہ ثانی کے سلسلہ طریقت کے دو شجرے شامل ہیں۔ جن میں سے ایک غلط اور ایک صحیح ہے۔

پہلا شجرہ اس طرح ہے:

''از جناب مستطاب قدوۃ السالکین، ہادی الطالبین، شیر بیشۂ ولایت، نہنگ آیت، شاہبازِ اوجِ حقیقتِ گُل گلزار معرفت، حضرت مرزا صاحب امانت شاہ جیو دام اللہ تعالیٰ طلال بحر ماو اوشاں از شیخ اوّل حضرت میاں بخت جمال قدس سرہٗ و اوشاں از شیخ خود حضرت میاں قطبِ اللہ پیر محمد سچیار شہسوار قدس سرہٗ و از شیخ ہا خود حضرت میاں عبدالغفور قدس سرہٗ و اوشاں از شیخ خود حضرت حافظ صاحب، حافظ محمد قائم برقنداز قدس سرہٗ و اوشاں از شیخ خود سچیار صاحب معظم الیہ و اوشاں از شیخ خود قطب الاقطاب مستغنی الالقاب حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قدس سرہٗ و اوشاں از شیخ خود حضرت شاہ سلیمان قلندر قدس سرہ و اوشاں از شیخ خود حضرت شاہ معروف القادری قدس سرہ و اوشاں از شیخ اول ...... بسلسلہ چشت اہل بہشت و از شیخ ثانی خود حضرت شاہ محمد مبارک عالی مقام قادری قدس سرہٗ اللھم صلّ و سلّم و بارک علیٰ حالِ محمدؐ و آلِ محمدؐ الذّی قال بالصِدق و الیقین۔ لَااِلٰہَ الا اللّٰہ محمّد رّسُول اللّٰہ''[1]

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ذخیرہ شیرانی نمبر 6223 کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور ص289

دوسرا شجرہ

اول فقر حضرت نوں آیا	جس تھوں فقر حضرت نے پایا[1]
حسن بصری فقیر حقاناں	حبیب عجمی درویش رباناں
داؤد طائی فقیری پائی	معروف کرخی پائی اولیائی
پاک فقیر جنید بغدادی	شیخ شبلی درویش تے یادی
عبدالواحد درویش سچاناں	ابوالحسن فقیر شہاناں
بوسعید سچا ولی الٰہی	شاہ جیلانی دی سدا بادشاہی
عبدالوہاب سید جیلانی	سید صفی الدین حقانی
سید احمد قادر دا پیارا	سید مسعود درویش سوہارا
سید علی فقر دا پورا	شاہ میر دا سدا ظہورا
شاہ محمود فقر دا سائیں	شاہ مبارک دا فقر سبھ جائیں
شاہ معروف ہمعروف جگ اندر	ولی شاہ سلیمان قلندر
حضرت نوشہ ولی پاک نگاہی	پیر محمد سچیار نوشاہی
حافظ قائم سچا سچیاری	شاہ عبدالغفور انصاری
حضرت شاہ امانت سائیں	جیوے ہووے جگاں تائیں

O

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی آدمی کے دو شجرے کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ فقیر نوشہ ثانی اپنے دور کی صاحبِ علم شخصیت تھے جس کا اقرار اس دور کے مورخین نے بھی کیا ہے۔ عمدۃ التواریخ کا مصنف لالہ سوہن لال سوری لکھتا ہے:

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص179

''راقم ایں تاریخ اکثر بخدمت سرا سرافادت فائزہ شدہ بہ استفادۂ علم
صحبت می پرداخت۔''(1)

فقیر نوشہ ثانی جیسے عالم فاضل ،صوفی ، درویش اور اس دور کے نامور فارسی شاعر سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے درست شجرے کا علم رکھتے ہوئے بھی اپنے ہی ہاتھ سے غلط شجرہ لکھیں۔ پہلا شجرہ تو بالکل غلط ہے اور دوسرے شجرہ سے بھی قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ واقعی نوشہ ثانی کا تحریر کردہ ہے۔ جبکہ اس شجرہ میں کوئی نام یا کوئی تخلص استعمال نہیں کیا گیا۔ گنج شریف کے اس ماخذ کی اندرونی شہادتوں کے پیش نظر ہم اس حقیقت تک پہنچتے ہیں کہ یہ بیاض نوشہ ثانی کے اپنے ہاتھ کی تحریر نہیں ہو سکتی۔

بقول شرافت نوشاہی کہ یہ آج [1975ء/ 1395ھ] سے تقریباً دوسو سال پہلے کی تصنیف ہے۔(2) اگر ہم اس بات کو تسلیم کر لیں تو پھر اس کی تصنیف کا سن 1200ھ ہونا چاہیے۔ ممکن ہے کہ یہ بیاض 1200ھ کے لگ بھگ لکھی گئی ہو اور یہ نوشہ ثانی (1166ھ تا 1229ھ) کے شباب کا زمانہ ہے۔ لیکن مخطوطہ کی اندونی شہادتوں سے پتا چلتا ہے کہ یہ مخطوطہ نوشہ ثانی کے اپنے قلم کی تحریر ہونا بعید از قیاس ہے اور اغلب ہے کہ انکی نظروں سے یہ بیاض کبھی گزری نہ ہو۔ ورنہ ظاہر علوم پر مکمل دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ باطنی علوم میں بلند مرتبہ کے حامل نوشہ ثانی جیسے عظیم صوفی اس قسم کی غیر فطری اور محیر العقول بات پر کیسے یقین رکھ سکتے ہیں کہ:

''حضرت شاہ سلیمان(3) سہ صدو ہفتاد و پنجسالہ عمر داشتند ، یکصد و
ہفت و پنجسال فقر باطنی ورزیدند وحسبِ ظاہر در کسب بودند و دوصد سال
در فقر ظاہری و باطنی اشغال نمودند و ....نمائے عالم............

1- لالہ سوہن لال سوری؛ عمدۃ التواریخ لاہور، 1888ء، جلد دوم ص 31
2- انتخاب گنج شریف ص 43
3- حضرت نوشہ گنج بخش کے مرشد جن کا مزار بھلوال میں ہے۔

نہ امانت حضرات بحضرت حاجی نوشہ بادشاہ رسانیدند و بستہ بد ارالبقا شتافتند''(1)

اس حوالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بیاض نہ تو نوشہ ثانی کی تحریر ہے اور نہ ہی انہوں نے اسے کبھی دیکھا ہے۔ ممکن ہے کہ شاہ امانت کے کسی مرید یا نوشہ ثانی کے کسی پیر بھائی نے نوشہ ثانی کی وفات کے کچھ عرصہ بعد اسے تحریر کیا ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ اس بیاض کے نقل کرنے والے نے اپنے روحانی ذوق کے پیش نظر مسلمان صوفیاء کرام اور غیر مسلم بزرگوں کے کلام کو اس بیاض میں یکجا کر دیا ہے۔ جگہ جگہ لکھے ہوئے ''نقل ست'' کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والے نے یہ تمام اشعار کہیں سے نقل کیے ہیں اور نقل کرتے وقت نوشہ گنج بخش اور نوشہ ثانی کو لفظ نوشہ کے مشترک ہونے کے باعث ایک ہی شخصیت سمجھ لیا ہے۔ اور ان کے کلام کو آپس میں گڈ مڈ کر دیا ہے۔ اس نے اردو، ہندی اور پنجابی کلام کو بھی ترتیب سے علیحدہ علیحدہ نہیں لکھا۔ بلکہ ایک دوسرے میں ملا دیا ہے۔

اگر یہ بیاض فقیر غلام محی الدین نوشہ ثانی کے اپنے قلم کی تحریر ہوتی تو وہ اپنے اردو، پنجابی، فارسی اور ہندی کلام کو یوں گڈ مڈ کر کے پیش نہ کرتے۔ ان کا فارسی کلام آج بھی خوبصورت مخطوطات کی شکل میں مختلف مقامات پر دستیاب ہے، جس سے ان کی خوش ذوقی کی نشاندہی ہوتی ہے۔ فکری اور فطری اعتبار سے بھی یہ امر ناممکن دکھائی دیتا ہے کہ ایک شاعر ایک ہی نشست میں مختلف زبانوں میں اشعار کہے اور پھر مختلف زبانوں میں لکھے گئے اشعار کو بے ڈھنگی ترتیب سے ایک صفحہ پر گڈ مڈ کر دینا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ بیاض فقیر غلام محی الدین کی تحریر نہیں ہوسکتی اور نہ ہی ان کی نظروں سے کبھی گذری ہوگی۔

1- کشکول نوشاہی قلمی مذکورہ۔ ص 288 (خالی جگہ (..........) سے مراد ہے کہ ان جگہوں پر مخطوطہ کو کیڑا لگا ہوا ہے لفظ پڑھے نہیں جا سکتے۔)

اس مخطوطے کی کیفیت ایسے ہی ہے جیسے شروع شروع میں گرنتھ صاحب کی تھی۔ بابا نانک جی نے اپنے زمانے سے قبل اور اپنے ہم عصر صوفیا اور بھگتوں کا کلام جمع کیا تھا۔ انہوں نے کلام کی تدوین میں مسلم یا غیر مسلم صوفیاء میں کوئی امتیاز نہیں برتا تھا۔ بلکہ خود بھی ان بزرگوں کے رنگ میں شلوک لکھے۔ پھر ان کے بعد آنے والے گورو صاحبان نے بھی اپنا اپنا کلام گوروگرنتھ میں شامل کیا۔ بابا نانک جی سے عقیدت و ارادت رکھنے کی وجہ سے یہ تمام گورو صاحبان بھی اپنا تخلص نانک کرتے رہے۔ ان میں سے کئی گورو صاحبان نے بابا فرید کے رنگ میں بھی اشلوک لکھنے کی سعی کی۔ انہوں نے جو اشلوک لکھے ان میں بابا فرید کو مخاطب کیا۔ یہاں مثال کے طور پر صرف ایک اشلوک پیش کیا جاتا ہے۔

فریدا بھوم رنگا ولی منجھ وسولا باغ
جو جَن پیر نوازیا تنہاں انچ نہ لاگ (1)

گورو صاحبان کے کہے ہوئے ان اشلوکوں نے محققین کے لیے دشواریاں پیدا کر دیں۔لیکن اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ گوروگرنتھ کے ذریعہ بابا فرید کا کلام ہم تک پہنچا۔ گوروگرنتھ کی تدوین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی وفات کے دوسو سال بعد شروع ہوئی اور سکھ مت کے پانچویں گوروارجن نے اسے مرتب کیا۔ نقاد اور محققین اس شش و پنج میں رہے کہ فرید ثانی کی ہستی کیسے شاعر کے طور پر نمودار ہوگئی۔ بعد ازاں ایک طویل عرصہ تک کچھ لوگ ان شلوک کو بابا فرید اور کچھ فرید ثانی کا کلام سمجھتے رہے۔مگر ان میں سے کئی اشلوک ایسے ہیں جو گورو صاحبان کی تخلیق ہیں جن کو بابا فرید سے منسوب کر دیا گیا۔لیکن جدید تحقیق نے چھان پھٹک کے بعد ثابت کر دیا

1- بابا فرید؛ آکھیا بابا فرید نے مرتب محمد آصف خاں لاہور 1980ء ص 227
یہ شلوک بابا فرید کا نہیں بلکہ گوروارجن کا ہے۔

ہے کہ اصل پنجابی شلوک فرید ثانی کے نہیں بلکہ بابا فریدؒ کے ہیں۔[1] بالکل ایسا ہی نوشہ ثانی سے منسوب بیاض کا حال ہے۔ بیاض کا نقل کرنے والا لفظ نوشہ سے دھوکہ کھا گیا وہ نوشہ گنج بخشؒ اور نوشہ ثانی میں امتیاز نہ کر سکا۔ کیونکہ اس بیاض میں نوشہ ثانی نہیں بلکہ صرف لفظ نوشہ ہی استعمال ہوا ہے۔

گنج شریف کی تدوین

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ کلام شرافت نوشاہی کی کاوشوں سے اشاعت پذیر ہوا۔ کتب خانہ دانشگاہ پنجاب میں موجود مخطوطہ کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ شرافت نوشاہی نے بیاض میں درج کلام کا کچھ حصہ حذف کر دیا ہے اور باقی کلام کا انتخاب شائع کر دیا ہے۔ بقول شرافت نوشاہی سارا مطبوعہ کلام نوشہ گنج بخشؒ کا ہے۔لیکن ان اشعار کا گہرا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ سارا کلام کسی ایک شاعر کی تخلیق نہیں۔ جیسے مذکورہ بیاض کا راقم نوشہ قادری (نوشہ گنج بخشؒ)اور نوشہ قادری (نوشہ ثانی) کے کلام میں امتیاز نہیں کر سکا۔ ایسے ہی شرافت نوشاہی بھی بعض مقامات پر امتیاز کرنے سے قاصر رہے۔انہوں نے کئی اشعار نوشہ گنج بخشؒ کے سمجھ کر ان سے منسوب کر دیئے۔حقیقت میں وہ اشعار نوشہ گنج بخش کی تخلق نہیں ہیں ممکن ہے کہ وہ نوشہ ثانی یا کسی اور شاعر کی کاوش کا نتیجہ ہوں۔

ہم یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ جب ایک ہی نام کے دو اشخاص کی تحریر میں فکری اشتراک پایا جاتا ہوتو پھر محقق کے لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ کس تحریر کو کس سے منسوب کرے؟ ایسے نازک موقع پر کسی محقق سے غلطی کا ارتکاب ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔لیکن گنج شریف کے مطالعے کے دوران میں لسانی حوالوں کے اعتبار سے بعض مقامات پر کلام دو مختلف اشخاص کی تخلیق نظر آتا ہے۔ اگر چہ فکری اشتراک کلام کو

1- دیکھیئے دیباچہ آکھیا بابا فرید نے

مربوط رکھتا ہے۔ تاہم ہمارے نزدیک اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ دونوں شاعر تصوف کے ایک سلسلے ''قادری'' سے منسلک ہیں اور قادری سلسلے کی ایک بہت بڑی شاخ ''نوشاہی'' کا آغاز حضرت نوشہ گنج بخشؒ سے ہوتا ہے۔ فقیر غلام محی الدین نوشہ ثانی اس سلسلے کے پیروکار تھے۔ ان کا کلام پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی شاعری سے بے حد متاثر تھے۔ بقول ڈاکٹر گوہر نوشاہی:

''فقیر صاحب نے نوشہ ثانی کا خطاب اور تخلص انہوں نے بانی سلسلہ نوشاہیہ کی عقیدت میں غالباً خود اپنے لیے منتخب کیا۔''(1)

یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فقیر غلام محی الدین نے اپنے تخلص نوشہ کے ساتھ لفظ ''ثانی'' کا اضافہ اس لیے کیا کہ انہیں علم تھا کہ نوشہ نام کے شاعر پہلے ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ گوہر نوشاہی نے بھی نوشہ گنج بخشؒ کے شاعر ہونے کا تذکرہ کیا ہے:

''نوشہ صاحبؒ قدس سرہٗ کے ملفوظات اور خود حضرت نوشہ صاحبؒ کے اردو اور فارسی کلام سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ حضرت پیر محمد سچیار کو اپنے تمام خلفاء سے ممتاز اور افضل سمجھتے تھے۔''(2)

فقیر غلام محی الدین نے چونکہ نوشہ گنج بخشؒ سے عقیدت کی بنا پر اپنا تخلص نوشہ ثانی رکھا تھا، اس لیے انہوں نے اپنے فارسی کلام میں نام کے فرق کو واضح کرنے کے لیے جگہ جگہ اپنے آپ کو نوشہ ثانی اور فقیر غلام محی الدین انصاری نثراد وغیرہ لکھا ہے۔ مثلاً

مور ریزہ خوار از خوانِ فقیر   نوشۂ ثانی بخاری فقیر (3)

1- گوہر نوشاہی (رسالہ از آثار فقیر نوشہ ثانی) مجلّہ صحیفہ، جولائی 1982ء لاہور ص 102

2- مجلّہ صحیفہ مذکور ص 101

3- دیکھئے وحدت نامہ یا مثنوی تصوف قلمی۔ ذخیرہ آذر نمبر 7515 / 294 کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور، ورق 9 الف

نوشئہ ثانی بخاری نژاد خاکپائے حضرت زین العباد [1]

نوشئہ ثانی بخاری النسب کو غلام محی الدین دارد لقب [2]

نوشئہ ثانی بخاری النسب می کند مدحِ بزرگاں روزوشب [3]

نوشئہ ثانی گرفتش تاج فقر در ہمہ صاحب وقاراں یافت وقر

مگر مذکورہ بیاض میں کہیں بھی نوشہ ثانی کا لفظ موجود نہیں۔صرف لفظ نوشہ بطور تخلص استعمال ہوا ہے۔کہیں حاجی نوشہ،کہیں نوشہ قادری اور کسی جگہ نوشہ فقیر بھی بطور تخلص آیا ہے۔ یہاں ایک عام قاری کے لیے یہ سمجھنا یقیناً بہت مشکل ہوگا کہ ان اشعار میں نوشہ سے مراد کونسے نوشہ ہیں۔ کیوں کہ دونوں نوشہ صاحبان قادری سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ بیاض دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک کا بھی نہیں ہے۔

گنج شریف نوشہ گنج بخشؒ کا کلام ہے یا نہیں؟تحقیقی تجزیہ

اگر کسی شاعر کا کلام اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا یا اس کے دور کا کوئی مستند مخطوطہ دستیاب نہ ہوتو بعد میں دستیاب ہونے والے کلام کو اس شاعر کا کلام ثابت کرنا بے حد مشکل مسئلہ ہوتا ہے۔ جبکہ اس شاعر کے بارے میں لکھے گئے تذکروں میں بھی اسکی شاعری کا کوئی حوالہ موجود نہ ہو۔ اس وقت چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔مگر محققین نے اس کے لیے اصول مرتب کیے ہیں۔ اگر ان کی روشنی میں خلوص نیت سے راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی جائے تو اس گھپ اندھیرے میں بھی منزل

1- دیکھئے وحدت نامہ یا مثنوی تصوف قلمی۔ ذخیرہ آذر نمبر 7515 / 294 کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور ورق 12 الف

2- ایضاً ورق 13 ب

3- ایضاً ورق 72 ب

دکھائی دے سکتی ہے۔

1- شاعر کے کلام میں اس کا تخلص یا نام استعمال کیا گیا ہو۔

2- شاعر کی اپنی ذاتی زندگی کے واقعات کا عکس اسکی شاعری میں موجود ہو۔ ان واقعات کی تصدیق دیگر حوالوں سے ہوتی ہو۔مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ شاعر کے قول وفعل میں مطابقت ہو۔

3- اس کی شاعری کے موضوعات یا مضمون اسکی دوسری تصانیف کے موضوعات سے ملتے جلتے ہوں۔

4- اسکے کلام میں اس کے پسندیدہ یا ہمعصر لوگوں کا ذکر موجود ہو۔

5- اس کی جملہ تصانیف کا مزاج آپس میں ملتا ہو۔

6- اس کی شاعری میں اس کی اپنی زبان یا اپنے علاقے کے مخصوص الفاظ اپنی قدرتی شکل میں استعمال ہوئے ہوں۔

اب ہم مذکورہ اصولوں کی روشنی میں گنج شریف کا جائزہ لیں گے تا کہ کسی حتمی نتیجے پر پہنچ سکیں۔

(1)

ان اصولوں میں اگر چہ پہلا اصول بے حد اہمیت کا حامل ہے۔لیکن ہم اس اصول سے پوری طرح متفق نہیں ہیں۔ کیونکہ ایک ہی نام اور تخلص کے کئی ایک شاعر ہو سکتے ہیں۔ ایک جیسا تخلص رکھنے والے دو شاعروں کے نام بھی اتفاقاً ایک جیسے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ہم دیگر اصولوں کو پیش نظر رکھ کر گنج شریف کا تنقیدی نظر کے ساتھ جائزہ لیں گے اور معلوم کریں گے کہ واقعی یہ نوشہ گنج بخشؒ کا کلام ہے یا نہیں، یا ان کے نام منسوب کیا گیا ہے۔

(2)

شاعر جو کچھ بھی اپنے اشعار میں بیان کرتا ہے وہ عام طور پر اس کے مشاہدے اور مطالعے کا اظہار ہوتا ہے اور زیادہ تر اس کے ذاتی تجربات ہوتے ہیں یا پھر اس کی دلی خواہشات یا آرزوؤں کا عکس ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ہم کسی شاعر کی زندگی اور اس کے ماحول کے بارے میں اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تذکرہ نوشاہی اور ثواقب المناقب کے علاوہ نوشاہی سلسلے کی دیگر کتب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ گھگانوالی میں پیدا ہوئے اور بچپن سے لے کر جوانی تک اسی گاؤں میں مقیم رہے۔ گھمہاروں کے فن کو ذریعہ معاش بنایا اور اپنے ہاتھ سے مٹی کے برتن بناتے تھے۔[1] ہمیں اس مقالے کی تسوید کے سلسلے میں 1984ء میں موضع گھگانوالی جانے کا اتفاق ہوا۔ نوشہ صاحبؒ کے والد اور والدہ مرحومہ کی قبریں اب تک اس گاؤں میں موجود ہیں۔ والد صاحب کی قبر گاؤں سے باہر تقریباً چار فرلانگ پر ہے جو درگاہ حاجی غازی کے نام سے مشہور ہے۔ اور والدہ صاحبہ کی قبر گاؤں کے قبرستان میں ہے۔ گھگانوالی کے باشندے ان دونوں قبروں پر اب بھی دیئے روشن کرتے ہیں اور حضرت نوشہ صاحبؒ کے بچپن اور جوانی کی بہت سی کرامات بیان کرتے ہیں جو نسل در نسل وہ اپنے بزرگوں سے سنتے آ رہے ہیں۔ گھگانوالی کے نمبردار سید سردار شاہ (عمر تقریباً سو برس) نے ہمیں بتایا:

> ''ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے بزرگوں نے
> پنن وال سے آ کر ہمارے گاؤں گھگانوالی میں گھمہاروں کے گھر میں قیام
> کیا۔ نوشہ صاحبؒ کی یہیں ولادت ہوئی اور جوان ہوئے۔ آپ کے والد

1- شاید اسی بنا پر بعض کتب میں آپ کی ذات گلگو لکھی ہے۔ ''میاں نور محمد نام بزرگ از یاران حضرت شاہ حاجی میگوند'' بحوالہ احوال حضرت نوشہ قلمی ذخیرہ شیرانی دانشگاہ پنجاب لاہور نمبر 6188، ورق 75 الف

آپ کی ولادت سے چند دن قبل حج پر تشریف لے گئے تھے اور آپ کے
چچا شیخ رحیم الدین نے گھماروں کے پیشہ کو روزی کمانے کا ذریعہ بنا لیا۔
اس گاؤں میں ان کی کوئی موروثی زمین نہ تھی۔ ایک مرتبہ گاؤں کے نمبردار
نے آپ کے چچا کو کنوئیں کی ''ٹنڈیں'' بنانے کے لیے کہا۔ ٹنڈوں کو ابھی
بھٹی میں نہیں پکایا تھا کہ نمبر دار آپ چچا کے ساتھ تلخ کلامی سے پیش آیا
اور کہا کہ زمین خشک ہوتی جا رہی ہے اور آپ نے ابھی تک ٹنڈیں تیار
نہیں کیں۔ رہٹ کیسے چلے گا؟ اگر ٹنڈیں صحیح وقت پر تیار نہ ہوئیں تو فصل
سوکھ جائے گی۔ نوشہ صاحبؒ نے اس نمبردار کو بہت سمجھایا کہ وہ صبر سے
کام لے مگر اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ آخر تنگ آ کر نوشہ صاحبؒ نے نمبردار
سے کہا۔ جاؤ کچی ٹنڈیں ہی لے جاؤ۔ ان سے کام چلاؤ۔ یہ پختہ ٹنڈوں کی
طرح کام کریں گی۔ نمبردار کو اس بات پر اور بھی طیش آیا۔ لیکن جب اس
نے اس مشورے پر عمل کیا تو وہ کچی ٹنڈیں بے حد مفید ثابت ہوئیں اور پکی
ٹنڈوں سے زیادہ پانی نکالنے لگیں اور ذرا بھی خراب نہ ہوئیں۔ اس دن
سے نمبردار اور اس کا خاندان آپ کی بزرگی کا قائل ہو گیا۔''

تحقیق کے ضمن میں جب ہم حضرت نوشہ صاحبؒ کے آبائی گاؤں پنن وال (تحصیل پنڈ دادن خان) پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے بھی حضرت نوشہ صاحبؒ کے بارے میں اس قسم کے کئی ایک واقعات بیان کیے۔ ان سب سے اہم واقع یہ تھا کہ نوشہ صاحبؒ جب کبھی اپنے آبائی گاؤں پنن وال تشریف لاتے تھے تو فرماتے تھے کہ ''ہم عاجز درویش اور فقیر لوگ ہیں'' اور اپنی برادری جالپ راجپوتوں کے گھر ٹھہرنے کی بجائے اُن گھماروں کے گھر قیام کرتے تھے جن کی نسبت سے آپ کے بزرگوں نے پنن وال سے ہجرت کر کے گھگانوالی میں گھماروں کے گھر میں قیام کیا تھا۔ اگرچہ آپ کی برادری کے لوگ اس میں اپنی توہین سمجھتے تھے لیکن آپ ان کی ذرہ بھر

بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔

نوشہ صاحبؒ کے اس دور کی زندگی کا عکس گنج شریف کے صوفیانہ اشعار میں گھریلو تشبیہات کی صورت میں محفوظ ہے۔ مثلاً:

مٹی ہِک پیاریا ہِک بناون ہار صورت آپو اپنی بھانڈے ہوئے تیار (1)

مٹی ہِک پیاریا بھانڈے لکھ کروڑ نوشہ اصل پچھان کے بھرم دِلے دا توڑ

کوجہ گھڑ گھمیار بنایا اوہ مٹ دے کیویں سمائے لوے

اندازے موجب پوے پانی ودھ اندازیوں کتھے پوے

جیڈا گھڑ گھمیار بناوے تیڈا بھانڈا بنسی جی

کوجے ہتھ نہ کوجا ہوون جویں بنایا تویں بنیا جی

کوجا کہے نہ دوھ میں پائیو کوجا کہے نہ پانی پی

نوشہ کرتا کرے سو ہووے بندہ عاجز کردا کی (2)

بلاشبہ نوشہ صاحبؒ کا تعلق پنن وال کے جالب راجپوتوں سے تھا جو اپنے آپ کو راجا، راؤ اور رائے وغیرہ کہلاتے ہیں۔ پنن وال کے جالب راجپوت ''چیف فیملی'' (3) ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن نوشہ صاحبؒ درویش مزاج تھے، ان کا ذات پات سے کوئی واسطہ نہ تھا اور نہ ہی اسے فخر کی بات خیال کرتے تھے۔ اسی عاجزی اور انکساری کے باعث وہ پنن وال میں اپنی برادری کے بڑے بڑے زمینداروں، جاگیرداروں اور امراء کے گھروں میں قیام کرنے کی بجائے غریب گھمہاروں کے گھر میں قیام کرنا بہتر سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ذات پات کی یہ تفریق اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب بھی ذات پات کی نفی کرتے ہیں تو

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 90۔ گنج شریف مطبوعہ ص 445

2- ایضاً ص 36 ایضاً ص 445

3- The Punjabi Muslimans, P.95

اپنے خاندان کی مثال پیش کرتے ہیں۔ ان واقعات کا عکس آپ کے اشعار میں یوں دکھائی دیتا ہے:

ذات پات ہندوانیاں اسیں ہکو جہے بھراؤ
نوشہ اسیں نہ جاندے کون راجا کون راؤ (1)

o

نہ اسیں زور نہ حاکمی نہ اسیں حاکم میر
آکھے نوشہ قادری اسیں عاجز مرد فقیر (2)

o

ہندو ذاتاں آکھدے اساں جاتی بس صفات
نیک کمائی چنگیاں مندیاں مندی بات (3)
اساں نہ ریت جہان دی لوکاں نال نہ کم
مُرشد کہیا سو منیا ہویا سکھالا دم
ذات اساڈی مسلمان کہے فقیر نوشاہ
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نوشہ صاحبؒ ذات پات کو فخر یا بڑائی تصور نہ کرتے تھے۔ وہ صرف اپنے مرشد کی بڑائی کے قائل تھے۔ ان کا ارشاد ہے کہ مرید بے شک راؤ، راجے خاندان کا کیوں نہ ہو۔ مرشد کے سامنے اسکی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مرید کے لیے مرشد ہی بادشاہ اور سلطان ہوتا ہے:

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 145۔ گنج شریف مطبوعہ ص 607
2- ایضاً ص 204، ایضاً ص 528
3- ایضاً ص 145، ایضاً ص 607

مرشد جانے بادشاہ سلطان راجے ، راوَ وڈے مانے نہیں آن [1]

نوشہ صاحبؒ کے نزدیک انسان کتنا ہی طاقتور ہو یا کتنے ہی بڑے خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھتا ہو، اس کی طاقت اور شان وشوکت عارضی اور فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ بے بس اور عاجز ہے۔ اس لیے دنیا کی طاقت سے ڈرنے کی بجائے انسان کو اللہ کی ذات سے ڈرنا چاہیے۔ نوشہ صاحبؒ نے ان خیالات کو شعری لبادہ اوڑھاتے ہوئے اپنے خاندان اور خاندانی برتری میں مبتلا لوگوں کو مخاطب کیا ہے:

مرنے والا مار دا نوشہ دے سناوَ
تھوڑیوں بوہتیوں نہ ڈرے مارے راجے راوَ
ڈریئے ناہیں ویریوں توڑے ہوون راجے راوَ
نوشہ ڈریئے رب توں مرد دا ایہہ سبھاوَ[2]

نوشہ صاحبؒ کے حالات زندگی سے پتا چلتا ہے کہ آپ نوشہرہ تارڑ اس کی مسجد میں سارا دن تلاوت فرماتے اور رات کے وقت دریا کنارے عبادت میں مشغول رہتے۔ آپ کا یہ معمول زندگی گنج شریف کے اشعار سے یوں ظاہر ہوتا ہے۔

ہویا ویلا شام دا گھر گھر دیوا بالیا آیا وقت بسرام دا نوشہ اللہ والیا
دن گزریا آرام دا جیوں جالن تیبوں جالیا رات دہائی نوشہ رب اگے سر نوالیا[3]

نوشاہی سلسلے کے بنیادی مآخذات سے واضح ہے کہ آپ نے عالم شباب میں حضرت شاہ سلیمان قادریؒ بھلوالی کی بیعت کی اور قلبی لگن کے باعث طریقت کی منزلیں جلد عبور کر لیں۔ آپ نے گنج شریف میں اپنے مرشد کی تعریف وتوصیف ان اشعار میں بیان کی ہے:

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 132، گنج شریف مطبوعہ ص 317
2- ایضاً ص 80، ایضاً ص 562
3- ایضاً ص 299، ایضاً ص 396